

حضرت مولانا عبد السلام بھٹوی
استاذ جامعہ محمدیہ - گجراتوالہ

تجدیدِ حقیت کیلئے احف کی کاوشیں

حضرت مولانا حافظ عبد السلام بھٹوی جامعہ محمدیہ کے فاضل مدرس اور وسیع المطالعہ فوجوان ہیں۔ حدیث اور اس کے تعلقات پر ان کی وسیع نظر ہے۔ دھال پر انہیں عبور و استحضار ہے۔ یوصوف نے ترجمان الحدیث سے مستقل قلمی تعاون کا وعدہ فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اناحنی نزولنا التکر واخلد لمخافظون کہہ کر اپنے نازل کردہ ذکر کی حفاظت کا جو وعدہ فرمایا تھا۔ اسے نہایت معجزانہ طریقے سے پورا فرمایا۔ ذکر کا جو حصہ وحیِ جلی (قرآن مجید) کی صورت میں ہے۔ اس کی حفاظت اس طرح فرمائی کہ صحابہؓ کے زمانے سے لے کر ہمیشہ کے لیے اپنی کتاب کی محبت اور اس کے حفظ کا شوق دلوں میں رکھ دیا۔ اور اپنی کتاب کو اتنا آسان فرما دیا کہ بچے جوان، بوڑھے سب اسے یاد کر سکتے ہیں۔ اور عربی اور عجمی سب اپنی اپنی استعداد کے مطابق اس سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ اور جو حصہ وحیِ خفی (حدیث) کی صورت میں ہے۔ اس کی حفاظت کے لیے ہر دور میں ایسی برگزیدہ ہستیوں کو مقرر فرمایا جنہوں نے اس فریضہ کا حق ادا کر دیا۔ علم حدیث حاصل کرنے کے لیے ہزاروں میلوں کے سفر کیے۔ روایان حدیث کی عدالت و ضبط معلوم کرنے کے لیے لاکھوں آدمیوں کی زندگی کے حالات کو ضبط کیا۔ اتصال معلوم کرنے کے لیے ان کے سینیں و لادت و وفات، مختلف شہروں کی طرف ان کی رحلت اور مختلف اساتذہ سے ان کی ملاقات یا عدم ملاقات کا پتہ چلایا اور اسے قلم بند کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں کذب جلی و خفی کے تمام رخنے بند کرنے کے لیے قرآن و سنت سے استنباط کر کے قواعد وضع کیے جو اصول حدیث کے نام سے موسوم ہیں۔ غرض علمائے امت نے یہ ایسا عجیب العقول کارنامہ سرانجام دیا کہ غیر مسلم قوموں کے اہل نظر بھی معترف ہیں کہ مسیحی اور یہودی حضرات اپنے اپنے پیغمبر کے ایک فرمان کی حفاظت بھی اتنے مضبوط اور محکم طریقے سے نہیں کر سکے جس طریقے سے مسلمانوں نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہزاروں فیضانِ ایمان و احوال کی حفاظت کی۔

فقہ اہل حدیث

اس مبارک جماعت کا دوسرا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے جہاں قرآن و حدیث کے دلائل جمع کیے وہاں زندگی میں پیش آمدہ مسائل کے لیے ان دلائل سے احکام کا استنباط بھی کیا۔ انہوں نے اپنی محنت سے ثابت کر دیا کہ اگر کے ہر شعبہ میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی موجود ہے۔ کمی سے توجہ تنویر کی صحابہ کے مختلف شہروں میں پھیل جانے اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف شہروں میں منتشر ہو جانے کی وجہ سے اگرچہ ہر مسئلہ میں حدیث کی تلاش نہایت مشکل کام تھا۔ مگر طلب حدیث کے لیے ہمارے تصور سے بھی زیادہ دشوار حالات میں ہزاروں میلوں کے سفر طے کر کے اور اپنی زندگیاں اس مقدس مشن میں کھپا کر انہوں نے بظاہر ناممکن کام کو ممکن بنا دیا چنانچہ ہر مسئلہ میں پہلے حدیث کی تلاش اور پھر فتویٰ ان حضرات کا منتہائے نظر رہا ہے۔ یہ جب مسئلہ بتاتے ہیں تو ساتھ دلیل بھی بیان کرتے ہیں۔ حدیث بیان ہی اس طرح کرتے ہیں کہ اس سے نکلنے والے مسائل بھی معلوم ہو جائیں۔ حضرت امام مالکؒ، شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ، محمد بن اسماعیل بخاریؒ، مسلمؒ، ابو داؤدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ، دارقطنیؒ، بیہقیؒ، دارمیؒ، ابن حبانؒ، ابن خزیمہؒ، ابن ابی شیبہؒ، عبد الرزاقؒ، سعید بن منصورؒ وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ، غرض کس کس کا نام لیا جائے کوئی آفتاب ہے تو کوئی ماہتاب ان کے فہم میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ مگر اصل کے لحاظ سے سب ایک ہیں۔ ان کا نام اہل حدیث اور ان کی فقہ فقہ الحدیث کہلاتی ہے۔ یہ نہ تو ایسے حدیث جمع کرنے والے ہیں جنہیں پتہ ہی نہیں کہ حدیث سے مسئلہ کیا نکلتا ہے۔ اور نہ ہی یہ ایسے مسئلہ بتانے والے ہیں۔ جو مسئلہ تو بتاتے ہیں۔ مگر یہ نہیں بتاتے کہ ہم نے یہ کہاں سے نکالا ہے۔ گویا یہ ایسے اپنا راور دوافرش ہیں جنہیں اپنے دواخانہ کی ایک ایک دوا کی افادیت کا بھی علم ہے۔ اور ایسے طبیب (حکیم) ہیں۔ جو اپنے مریضوں کو اندھیرے میں رکھنا پسند نہیں کرتے۔ بلکہ اسے دوا دے کر اس کے اجزاء بھی بتا دیتے ہیں تاکہ وہ خود بھی غور کر سکے اور دوسرے طبیبوں سے بھی مشورہ لے سکے یہ نہیں کہ طبیب نے پسا ہوا سفوف دے دیا۔ جس کے اجزاء اگر وہ معلوم کرنا چاہے۔ تو اسے لیبارٹری والوں کا محتاج ہونا پڑے۔ جو محض ظن و تخمین کی بنیاد پر اس کے اجزاء کی تعیین کرتے پھر یں یقین سے دوا کا ایک جزو بھی نہ بتا سکیں۔ مریض اس بات پر ہی خوش ہے کہ میرا طبیب بڑا لائق ہے۔ خواہ طبیب نے اسے غلطی سے سم الفار کی پڑیہ ہی دے دی ہو۔ طبیب بے شک نیک نیت تھا۔ مگر غلطی کا خمیازہ بہر حال مریض کو بھگتنا پڑے گا۔

آپ صحیح بخاری اور دوسری کتب احادیث اٹھا کر دیکھیں یہاں حدیث بھی جمع ہے۔ ہر حدیث کے ساتھ استنباط مسائل (فقہ) بھی ہے۔ بلکہ استنباط کی مشق بھی ساتھ ساتھ کروائی جاتی ہے۔ گویا یہ محدث بھی ہیں۔ مجتہد بھی اور مجتہد گر بھی جن کے مطالعے سے بے شمار مجتہدین مثلاً داؤد ابن علی، ابن حزم، ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن قدامہ، عز بن عبد السلام، ابن حجر، شوکانی، نواب صدیق حسن خان وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ پیدا ہوئے۔ اور اب بھی یہ کتابیں ہر مطالعہ کرنے والے کو فین حدیث سکھاتی ہیں اور اجتہاد کا سلیقہ بھی۔ ان کا مطالعہ کرتے ہوئے کبھی اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ بدگمانی پیدا نہیں ہوتی۔ کہ اس نے قرآن و حدیث کو سمجھنے اور ان سے مسائل کے استنباط کا دروازہ فلاں صدی کے بعد بند فرما دیا ہے۔

فقہ اہل الرأی | ایک طرف یہ محنت شاقہ ہو رہی تھی۔ دوسری طرف بعض شہروں میں رہنے والے کچھ لوگوں نے اس محنت کی بجائے ایک دوسری راہ اختیار کر لی۔

وَذَاكَ اِنَّهُمْ يَكْنُ عِنْدَهُمْ مِنَ الْاَحْلِيَّةِ وَالْاَثَارِ مَا يَقْدُرُونَ عَلَيْهِ عَلَى اسْتِثْبَاتِ
الْفَقْرِ عَلَى الْاَصُولِ الَّتِي اخْتَارَهَا اَهْلُ الْحَدِيثِ وَلَمْ تَنْشَرْ صِدْقَ جَمِيعِ الْمَنْظَرِ فِي
اَقْوَالِ عُلَمَاءِ الْبُلْدَانِ وَجَمْعِهَا وَلَعِبَ عَنْهَا وَكَانُوا يَعْتَقِلُونَ فِي اَمْتِهِمْ اَنَّهُمْ فِي الْحَقِّ
الْعِلْمِ مِنَ الْحَقِيقِ وَكَانَ قُلُوبُهُمْ اَمِيلَ شَيْءٍ اِلَى اَصْحَابِهِمْ كَمَا قَالَ عَلْقَمَةُ : هَلْ
اَحَدٌ مِنْهُمْ اَثْبَتَ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ ؟ وَقَالَ الْبُحَيْرِيُّ : اَبْرَاهِيمُ اَفْقَرُ مِنْ سَالِمٍ
وَلَوْ لَا فَضْلُ الصَّبَةِ لَقُلْتُ عَلْقَمَةُ اَفْقَرُ مِنْ ابْنِ عَمْرٍ وَكَانَ عِنْدَهُمْ مِنَ الْفُطَانَةِ
وَالْحَدَسِ وَسُرْعَةِ انْتِقَالِ الذِّهْنِ مِنْ شَيْءٍ مَا يَقْدُرُونَ عَلَيْهِ عَلَى تَخْرِيجِ جَوَابِ الْمَسَائِلِ
عَلَى اَقْوَالِ اَصْحَابِهِمْ - رَحِمَهُ اللَّهُ الْبَالِغُ ۱۵۲ ج ۱۰

ترجمہ: وہ یہ کہ ان کے پاس اس قدر احادیث و آثار موجود نہ تھے جن سے وہ ان اصولوں کے مطابق فقہ کے استنباط پر قادر ہو سکیں جو اہل حدیث نے اختیار فرمائے تھے۔ اور دوسرے شہروں کے علماء کے اقوال میں غور و فکر، ان کی جستجو اور انہیں جمع کرنے کے لیے انہیں شرح صدر نہ تھا۔ اور اس (کار دشوار) میں انہوں نے اپنے آپ کو متہم سمجھا اور وہ اپنے علماء کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ تحقیق کے درجہ علیا پر فائز

ہیں۔ اور ان کے دل اپنے اصحاب کی طرف بہت زیادہ مائل تھے۔ جیسا کہ علقمہؓ نے فرمایا کیا ان (صحابیہ) میں عبد اللہؓ سے زیادہ بھی کوئی (علم میں) پختہ ہے۔ اور ابو حنیفہؓ نے فرمایا ”ابراہیمؓ، سالمؓ سے زیادہ فقیہ ہیں۔ اور اگر صحابیؓ شہونے کی فضیلت نہ ہوتی تو میں کہہ دیتا کہ علقمہؓ ابن عمرؓ سے زیادہ فقیہ ہیں،، اور ان لوگوں کے پاس فطانہ، حدس اور ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف سرعت انتقال کی ایسی صلاحیت تھی کہ جس کے ساتھ وہ اپنے اصحاب کے اقوال کے مطابق سوالات کے جوابات کی تخریج کی قدرت رکھتے تھے۔

ان لوگوں کے ہاں کمال یہ تھا کہ حقیقی پیش آمدہ واقعات ہوں یا فرضی مسائل، سب کا جواب اپنی ذہانت اور فطانت سے اپنے اساتذہ کے کلام سے تخریج کر کے دیں۔ پھر ان اقوال و جوابات کے مجموعے تیار ہو گئے۔ جن کے ساتھ دلائل حدیثیہ ذکر نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ اپنے اساتذہ کی لیاقت پر ہی اعتماد ہی اصل دلیل تھی۔ پھر قرون خیر کے دور ہونے کے ساتھ ساتھ سلاطین و خلفائے اپنی مصلحتوں کے لیے ان اقوال اور اصحاب اقوال کو بزور حکومت تمام اسلامی قلم روپ مسلط کر دیا۔ یہ لوگ اہل الرأی اور ان کی فقہ فقہ اہل الرأی کہلاتی ہے۔

فقہ اہل الرأی کے لیے دلائل کی تلاش

جب کچھ زمانہ گزر تو بعد میں آنے والوں نے اپنے علماء کے اقوال کے دلائل کی تلاش

شروع کی مگر اب تیر کرمان سے نکل چکا تھا ”و عبد م قیل ارجعوا و ما دکم فالتقوا“ کی صدا آرہی تھی حریفوں نے اپنی بات دلیل سے بیان کی تھی۔ اس کا وزن بہر حال مسلم تھا۔ اور یہاں انہوں کا ترتیب دادہ کوئی جامع مجموعہ حدیث ہی نہ تھا۔ جس سے دلیل پیش کر سکیں۔ یہ الگ بات کہ حریف اتنے دیانت دار تھے کہ انہوں نے وہ دلائل بھی (صحیح ہوں یا ضعیف) جمع کر دیئے جن سے اہل الرأی استدلال کرتے ہیں اہل الرأی نے اہل حدیث کے مدون کردہ مجموعوں سے اپنے دلائل جمع کیئے۔ مگر ہر بات کی دلیل نہ مل سکی۔ کیونکہ اس کا وجود ہی نہ تھا چنانچہ اس میدان میں اپنی بے بضاعتی کے اعتراف کے بغیر ان کے پاس کوئی چارہ کار نہ رہا۔ چنانچہ مولانا لور شاہ کشمیری سابق صدر مدرس دارالعلوم دیوبند کے صاحب زادے سید انظر شاہ مسعودی اپنے والد محترم کی سوانح حیات ”نقش دوام“ میں لکھتے ہیں۔

یہ عجیب تاریخ کاراز سے جس کی وجہ و علل کا دریافت تاریخ کاسب سے بڑا انکشاف ہو گا۔

کہ حدیث کے بیش تر وہ مجموعے جو آج ہمارے کتب خانے کی زینت ہیں۔ غیر حنفی قلم سے ان کی جمع و ترتیب ہوئی۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ کہ اس مہم میں حنفی مکتب فکر بھر پور شرکت کیوں نہیں کر سکا عجیب نہیں کہ یہ پامال اعتراض کہ ابو حنیفہ الامام حدیث سے نابلد و نادا قف تھے۔ ان شبہات و شکوک میں اس سے بھی مدد لی جا رہی ہو کہ احناف تدوین حدیث کے کاروبار میں پس ماندہ ہیں۔ اگرچہ متاخرین کی کی کاوشیں اس خلجان کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑیں تاہم اسباب کچھ بھی ہوں۔ پھر بھی اس واقعہ سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حدیثی مجموعوں میں احناف کی تالیفی دستاویزات نہ ہونے کے برابر ہیں، ان کی تمام تر توجہ اور زور قلم فقہ کی تعمیر، استخراج مسائل، نت نئی جزئیات، حوادث و فتاویٰ کی ترتیب و تدوین پر ہی رہی ۱۱ نقش دوام صفحہ ۱۷۶-۱۷۵

مزید ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ چار حنفی مکاتیب نظر و جذبہ برہوتے۔ تو حضرات شوافع کی علمی جہتیں احادیث کی جمع و ترتیب میں مصروف رہیں چنانچہ آج عالم اسلام کی کوئی بھی درس گاہ ایسی نہیں جس میں یہی حدیثی مجموعے زیر درس نہ ہوں۔ مالک علیہ الرحمۃ کے قلم مبارک سے ان کا مشہور موطا مالکی فقہ کے لئے آج اساسی کتاب ہے۔ احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ کا مسند حنبلہ کے لئے کافی دشانی ہے۔ احناف ہی ایک ایسا فقہی اسکول ہے جس کے پاس خود کسی حنفی امام کی نیار تالیف نہیں۔ امام محمد علیہ الرحمۃ کا موطا اور امام طحاوی کی معانی الآثار ثنائی درجہ میں داخل کی گئیں۔ اور خود احناف ان سے وہ استفادہ نہ کر سکے جس کی یہ دونوں کتابیں مستحق تھیں۔ تاریخی اعتبار سے اس کے کچھ علل و اسباب ہیں جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ۱۲ نقش دوام صفحہ ۳۰۸

ان دونوں کتابوں کو احناف کے ہاں کوئی قابل ذکر مقام نہ ملنے کی وجہ یہ ہے کہ موطا تو بنیادی طور پر امام مالک کی تصنیف ہے جو امام محمد نے ان سے روایت کی اور اس میں چند آثار و احادیث اپنے دوسرے اساتذہ کے بھی شامل کر دیئے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے بستان المحدثین و دیگر کتب۔ رہ گئے امام طحاوی تو وہ واقعی حدیث کی تدوین میں شریک ہوتے۔ اور اپنی طرف سے پوری کوشش، اثبات حنفیت کی۔ مگر محدث ہونے کی وجہ سے اس خود سپردگی کا مظاہرہ نہ کر سکے جس کی توقع ایک مکمل حنفی سے کی جاتی ہے نتیجہ یہ نکلا کہ اثبات حنفیت کو اپنا مقصد بنا لینے کی وجہ سے محدثین، (جو ہر تعصب سے آزاد ہو کر حدیث کے خادم تھے) کے ہاں بارپا سکے اور نہ احناف نے ہی انہیں پوری طرح قبول کیا۔ چنانچہ داخل درس ہونے کے باوجود حنفی اساتذہ و طلباء کی دلچسپی اس کتاب کو حاصل

نہ ہو سکی۔

نقشہ دوام میں لکھا ہے۔

”امام طحاوی کی اس معرکہ آزار تفسیر سے خود خفیہ کے حلقہ میں جو بے اعتنائی برتی جا رہی ہے۔ اس پر علامہ مرحوم کی بے چینی اور تاسف واضح کر چکا ہوں یہ تو بار بار فرماتے تھے کہ مولک نے طحاوی سے جس قدر فائدہ اٹھایا احناف اس سے محروم رہے۔ اور خود غریب طحاوی خفیت کی وکالت و دفاع میں ہدف ملامت بن کر رہ گئے۔ پچھلے دنوں دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں حضرات مدرسین کی مقدار اسباق زیر بحث تھیں۔ طحاوی کی مقدار بہت کم رہی تو اراکین شوریٰ اس پر تاسف کا اظہار کر رہے تھے۔ مولانا مفتی عتیق الرحمان جو طویل و تلخ بحثوں کو لطائف میں اڑانے کے مشاق تھے۔ بولے کہ ”بھائی! ہمارے حضرت مولانا انور شاہ صاحب فرماتے تھے کہ جعفر کے ابا کے ساتھ کسی نے انصاف نہیں کیا۔ (ابو جعفر امام طحاوی کی کنیت ہے)۔ اس ظلم کو بھی کہ طحاوی کی مقدار کم ہوئے ہے۔ مضامین الطحاوی میں شمار کرے۔ بات آتی گئی ہو گئی، حاشیہ نقش دوام ص ۱۷۱

جمع و تدوین حدیث کا میدان مکمل طور

دلائل کی کمی پوری کرنے کے لیے احناف کی کاوشیں

پراہل حدیث کے ہاتھ میں ہونے کے باوجود متاخرین خفیہ نے اپنی اس کمی کو دور کرنے کے لیے حد سے زیادہ محنت کی۔ مگر اس ساری تنگ و دو میں خدمت حدیث کے جذبہ کی حیثیت ثانوی ہے۔ اصل مقصد خفیہ مذہب کو حدیث کے مطابق ثابت کرنا ہے۔

چنانچہ اس مقصد کے لیے حضرات احناف نے کئی طریقے اختیار فرمائے ہیں۔

اپنے مدارس میں آٹھ سال تک فقہ حنفی پڑھا کر دہنوں میں

۱۔ دورہ حدیث

احفیت پختہ کرنے کے بعد ایک سال میں حدیث کے چھ ضخیم مجموعوں سے

کو گزارا جاتا ہے۔ اور شیخ الحدیث امام یہ ہوتا ہے کہ یہ بتاتے کہ یہ حدیثیں ہمارے مخالف ہیں اور ہم ملحق ہیں۔ اس طرح دیتے ہیں۔ اگر کوئی چاہے کہ اپنی آنکھوں کے ساتھ ان حلقہ ہائے درس میں شیوخ حدیث کی تفسیر کے اثبات کی جدوجہد کو دیکھے تو وہ ان کی وہ تقاریر پڑھے جو ترمذی بخاری اور دوسری کتب حدیث کے دروس میں تلامذہ نے قلم بند کی ہیں۔ مثلاً تقریر ترمذی للشیخ محمود الحسن فیض الباری وغیرہ۔ یاد رہے کہ امام ابو حنیفہ مالک کے مصنف بڑے المجہود کے

معاون مصنف اور مشہور تبلیغی نصاب کے مصنف مولانا زکریا صاحب کاندھلوی نے اپنے والد صاحب کا (جن سے انہوں نے حدیث پر علمی قانون تعلیم بیان فرماتے ہیں۔

”قانون تعلیم یہ تھا کہ ہر حدیث کے بعد یہ بتانا ضروری تھا کہ یہ حدیث حنفیہ کے موافق ہے یا خلاف اگر خلاف ہے تو حنفیہ کی دلیل اور حدیث پاک کا جواب۔ یہ تمام گویا حدیث کا جزو لازم تھا جو میرے ذمہ تھا۔ اپنی دلیل نہ بتانا تو یاد نہیں۔ اس لیے کہ ہدایہ اور اس کی شرح و حواشی اور فقہ کی دوسری کتابیں دیکھنے کی نوبت کثرت سے آتی رہتی تھی۔ البتہ حدیث کا جواب کبھی نہیں دے سکتا تھا۔ تو وہ خود بنتے تھے، صفحہ ۲۳ ”یاد ایام“

تقریباً یہی قانون تمام مدارس احناف میں جاری و ساری ہے۔

جہاں تربیت ہی یہ ہو کہ حنفیہ کی بات کسی صورت نہ ٹوٹے پائے۔ حدیث پاک خلاف آتی ہے۔ تو ہر طرح اس کا جواب ہونا چاہیے۔ وہاں حدیث کی محبت و حمایت کا ذوق و جذبہ جس قدر باقی رہ سکتا ہے۔ اس پر اندازہ کرنے کے لیے کسی لمبے چوڑے غور و فکر کی ضرورت نہیں۔ تعجب یہ ہے۔ کہ ان لوگوں کو نہ یہ کہنے کی توفیق ہوتی ہے کہ حنفیہ کا مسئلہ حدیث پاک کے موافق ہے یا خلاف۔ نہ یہ کہنے میں کوئی باک محسوس ہوتا ہے۔ کہ حدیث حنفیہ کے موافق ہے یا خلاف؟

۲۔ حنفی مذہب کے اثبات کے لیے مجموعہ ہائے احادیث مرتب کرنا

سید انظر شاہ نقشب دوا میں لکھتے ہیں۔

”بہر حال یہ ایک کمی و کوتاہی تھی جس کے تدراک کے لیے متاخرین احناف ہمیشہ متوجہ رہے حضرت مولانا خٹناؤی نے اپنی زیر نگرانی ”اعلاؤ السنن“ کی کئی جلدوں میں تیار کروائی جس میں ان احادیث کو ایک خاص ترتیب سے جمع کیا گیا جس سے حنفی فقہ کی تائید و تصویب حاصل ہو۔ بہار کے مشہور عالم مولانا ظہیر الحسن شوق نیوی نے دو جلدوں میں آثار السنن کے نام سے ان احادیث کو یکجا کیا جو فقہ حنفی کی موید ہیں، صفحہ ۲۰۹-۲۰۸ ان کے علاوہ بھی مختلف مجموعے اس مقصد کے لیے مرتب کیے گئے۔

ان کتابوں میں مقصد چونکہ بہر حال حنفی مذہب کو ثابت کرنا ہے۔ اس لیے احوال حدیث اور بہار کی بحث میں اپنے اور پر اسے کے لیے الگ الگ پیمانے استعمال کئے گئے ہیں۔ اگر

کسی اصول سے حنفی مذہب کا اثبات ہوتا ہے۔ تو وہ اجماعی قرار پاتا ہے۔ اور اگر اسی اصول سے دوسرے مقام پر حنفیت کی تردید ہوتی ہے۔ تو اس کو غلط ثابت کرنے کے لیے پورا زور اذہم صرف کیا جاتا ہے۔ ایک ہی راوی کی حدیث اپنے حق میں ہو تو وہ امیر المؤمنین فی الحدیث ہے اور اگر اس کی حدیث اپنے خلاف ہو۔ تو وہ کذاب اور دجال من الدجالہ ہے۔ وللتفصیل موضوع آخر اگر جال اور اصول میں بصیرت رکھتے والا کوئی شخص یہ کتا ہیں پڑھے تو اس تلون پر حیرت زدہ ہوتے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اپنا بنا لیا کبھی بیگانہ کر دیا یہ دھوپ چھاؤں حسب ضرورت بھی نوبت

۳۔ کتب حدیث کی شروح و حواشی

پڑھاتے وقت طلبہ کے متاثر ہونے کا خطرہ تھا۔ اس کے لیے تقریباً تمام کتب حدیث کے حواشی حنفی نکتہ نظر سے لکھے گئے اور حنفی ناشرین نے بڑی محنت سے شائع کیے۔ اس سے صورت حال یہ ہو چکی ہے۔ کہ حدیث کا متن کچھ کہتا اور حاشیہ کچھ اور ہی باور کرانے کی کوشش میں ہے۔ بظاہر حاشیہ حل کتاب کے لیے مگر پڑھیں تو ثابت ہوتا ہے کہ رد کتاب کے لیے ہے۔ صحیح بخاری پر مولانا سہارنپوری کا حاشیہ اس کی بین مثال ہے۔ اس طرح موطا، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ پر حنفی علماء کے حواشی دراصل متون حدیث کی تردید کاوشیں ہیں۔

اسی طرح کتب حدیث کی ان شروح کی جگہ جو اہل حدیث نے لکھی تھیں۔ حنفی نکتہ نظر سے شروح لکھی گئیں۔ عمدۃ القاری، المعینی، فتح الملہم، بذل المجہود، اوجز المسائل، مرقاۃ اسی نظریہ کی پیداوار ہیں۔ مشکوٰۃ کی مشہور شرح مرقاۃ کے مصنف نے تو سب تصنیف میں لگی لیٹی رکھے بغیر لکھا ہے۔

وایضا من البواعث ان غالب الشراح كانوا شافعیة فی مطلبهم و ذکرُوا

المسائل المتعلقة بالکتاب علی منهاج مذہبهم و استدلوا بطواہر الاحادیث

علی مقتضى مشرہم و سمو الحنفیة اصحاب الروای علی ظن انہم ما

یعملون بالحدیث بل ولا یعملون الروایة و التحدیث ————— الی

قولہ ————— فاحببت ان اذکر ادلتهم و ابین مسائلہم و ادفع

منہم مخالفتہم لسلامتیہم العوام الذین لیس لہم معرفتہ بالادلتہ

ابن حنیفہ، کے نام سے لکھی اور دلائل کے ساتھ ان کی وائے کا احادیث کے خلاف ہونا واضح فرمایا۔ ابو حنیفہ کے متقلدین اپنے امام کے لیے دلائل کی درپوزہ گری کے لیے اسی ابن ابی شیبہ کی کتاب کی طبعیت کی تمنا کرتے ہیں۔ بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت حدیث کے اہتمام کی ایک عجیب صورت تھی۔ کہ اس نے ایسے ہاتھوں سے یہ کام انجام دلایا جن کو اپنی ضرورت کی کچھ چیزیں نظر نہ آئیں تو وہ ان مجموعوں کا وجود بھی بمشکل برداشت کرتے۔

تنبیہ :- مصنف ابن ابی شیبہ مکمل طبع نہیں ہوئی تھی۔ صرف چند اجزاء طبع ہوئے تھے اب ہندوستان میں جماعت اہل حدیث کے مولانا مختار احمد ندوی اور ان کے ساتھیوں کی محنت سے مکمل کتاب چھپ چکی ہے۔

بعض کتب احادیث اس لیے طبع کی گئیں کہ ان کے ساتھ ان کا رد بھی شامل کر دیا جائے تاکہ حقیقت کو پہنچنے والا ضرر کم ہو سکے۔ مثلاً سنن بیہقی کے ذیل میں الجوہر النقی شائع کی گئی۔ اب اگر اشاعت حدیث ہی مقصد ہوتا تو صرف اصل کتاب قاری کے سامنے آنا قابلِ برداشت ہوتا مگر ساتھ رد شائع کرنے سے ظاہر ہے کہ مطلب سعدی اشاعت حدیث نہیں کچھ اور ہے۔

داۓرۃ المعارف نے بے شک اشاعت کتب حدیث کی عظیم خدمت سرانجام دی۔ مگر اصل غایت کے بنائیت محدود ہونے نے اس عظیم الشان خدمت کو بھی داغ دار کر دیا۔ بعض اداروں میں اشاعت کتب حدیث کے وقت مذہب کے مطابق بعض مقالات پر الفاظ میں تحریف و تبدیل کی گئی۔ اور بعض مقامات پر خلاف مطلب الفاظ کو حذف کر دیا گیا۔ اس کی تفصیل آپ کو حضرت مولانا سلطان محمود صاحب حفظہ اللہ کی کتاب نعم الشہود اور مولانا محمد اشرف سندھو مرحوم کی کتاب نتائج تقلید میں ملے گی۔

۵۔ اصول حدیث اور فن رجال کی بیخ کنی | علماء احناف کے ہاں اپنے اصحاب کے خلاف احادیث

احادیث کو ماقول یا منسوخ قرار دینے کی روش عام ہے جیسا کہ کرفی نے اپنی "اصول" میں اس کی صراحت بھی کی ہے۔ کہ ہمارے اصحاب کے خلاف جو آیت یا حدیث آئے وہ یا ماقول ہے یا منسوخ! لیکن جب مقابلے میں ایک سند صحیح کے ساتھ ثابت ہو۔ ائمہ حدیث

اس کی صحت پر متفق ہوں، نسخ کی بنیاد ہی موجود نہ ہو۔ تاویل کو عقل سلیم قبول نہ کرتی ہو۔ اور اپنی تائید میں ایسی ضعیف روایت کے علاوہ کچھ نہ ہو۔ جو باتفاق محدثین غیر ثابت ہو۔ وہاں اپنے اہل حلقہ کو تو نسخ یا تاویل کے گول مول دعویٰ سے خاموش کر دیا جاسکتا ہے۔ لیکن تمام دنیا بادشاہ کے خوف سے نگے کو ننگا نہ کہے یہ بات مشکل ہے۔ اس مقام پر حل مشکل کے لیے آخری دور کے احناف نے نہایت خطرناک اقدام کیا۔ چنانچہ انہوں نے متفقہ اصول حدیث کو بدلنے بلکہ اُسے ناقابل اعتماد ٹھہرانے کی کوشش کی۔ اس بات سے بے پرواہ ہو کر کہ ایسا کرنے سے وہ منکرین حدیث کے اعتراضات کا جواب دینے کے قابل بھی رہیں گے یا نہیں وہ فن رجال جس پر احادیث کی صحت و ضعف کا مدار ہے۔ جو احادیث کی حفاظت کے لیے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے۔ اور جس فن کی سطوت و ہیبت کے مقابلے میں غیر مسلم بھی اپنی تاریخ نویسی اور تحقیق کے معیار کو حقیر محسوس کرتے ہیں اس فن رجال کو ایسے بے رحم طریقے سے اپنی تنقید کا نشانہ بنایا کہ اس کی رو سے کوئی شخص نہ ضعیف کو ضعیف کہنے کی جرات کر سکے نہ صحیح کو صحیح کہنے کی۔ اس کے لیے استخفاف و استہزاء سے بھی گریز نہیں کیا گیا۔ دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین مولانا انور شاہ کے متعلق ان کے فرزند ارجمند ”نقش دوام“ میں لکھتے ہیں۔

اختلافی حدیثوں کے بارے میں شوافع کے یہاں ”اصح ما فی الباب“ (یعنی اس باب میں سب سے زیادہ صحیح حدیث یہ ہے) کا جو ترجیحی طریقہ جاری ہے۔ اس کا جب کبھی ذکر آتا تو فرماتے کہ ”یہ شوافع نے دوپٹے ٹٹولنے“ کا کام شروع کر دیا۔ اس علمی لطیفہ کی دلچسپ تفصیل فاضل گیلانی سے سنیے۔ لکھتے ہیں کہ دو اسماء الرجال کی کتابوں کو اٹھا کر رادی پر جرح کر کے مخالف کی حدیث کو ناقابل لحاظ بنا دینا اور صرف رجالی رجسٹروں کی مدد سے کسی روایت کو ترجیح دینا اور آثارِ صحابہ، قرآنی آیات کے اقتضار اور اسلام کے کلی قوانین و اصول سے چشم پوشی حضرت شاہ صاحب شافعیوں کے اس طرز عمل کو روایتوں کی ترجیح میں پسند نہیں فرماتے تھے۔ جرح کے لیے امالی رجسٹروں میں رادی کی کمزوریوں کو ٹٹولنا اس کا نام انہوں نے پٹھا ٹٹولنا رکھ لیا تھا۔ فرماتے کہ یہ تو قصا بوں کا کام ہوا۔ کہ جو جانور کمزور نظر آیا اسی کو بیٹھ کر ذبح کر ڈالا۔ ”نقش

پہلے محدثین کو شوافع بنایا۔ پھر محدثین کی بے نظیر کاوشوں کی تحفہ ”رجالی رجسٹروں“ کی پھیلتی کس کرنگی ساتھ ہی انہیں قرآنی آیات کے اقتضار اور اسلام کے کلی قوانین سے جہم پوشی کا مجرم ٹھہرایا۔ سارا مقصد یہ ہے کہ راویوں کے ثقہ یا ضعیف ہونے کی بنا پر حدیث کو صحیح یا ضعیف قرار دیا جائے۔ صرف اپنے خیالی اقتضاء آیات اور خود ساختہ قوانین کلیہ کے ذریعے ثقہ راویوں کی احادیث کو رد کرنے اور ضعیف و کذاب راویوں کی احادیث کو ترجیح دینے کے حق کو تسلیم کیا جائے، خواہ وہ اقتضاء آیات کوئی صاحب کچھ سمجھتے ہوں اور کوئی کچھ نہ فرمائیے حدیث کا کوئی بڑے سے بڑا منکر بھی اس سے زیادہ کیا کہہ سکتا؟ وہ بھی قرآنی آیات کے اقتضاء اور اسلام کے کلی قوانین کے ذریعے ہی احادیث کو رد کرتے ہیں۔ اصول حدیث کے فن اور رجال کی کتابوں سے ان حضرات کو جو روحانی اذیت اور دلی بغض ہے۔ وہ اس عبارت کے لفظ لفظ سے ظاہر ہے۔

دورِ حاضر کے ایک مشہور بزرگ نے بھی روش اختیار کر کے حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کے فیصلے میں۔ اسناد کی اہمیت کو فقہاء کی فقہائیت کے مقابلے میں کمتر قرار دیا ہے حضرت مولانا محمد اسماعیل سلطیؒ کے بقول ”مولانا یہاں قادیانی شاعری کا لمبا دہ زیب تن فرماتے ہیں۔ فقیہ کا تعارف اس انداز سے کرتے ہیں کہ :

”اس کی روح، روح محمدی میں گم ہو جاتی ہے۔ اس کی نظر بصیرت نبوی کے ساتھ متحد ہو جاتی ہے۔ اس کا دماغ اسلام کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے، لا نفہیات صفحہ نمبر ۲۲) پھر فرماتے ہیں۔

”اس مقام پر پہنچ جانے کے بعد انسان اسناد کا زیادہ محتاج نہیں رہتا۔ وہ اسناد سے مدد ضرور لیتا ہے مگر اس کے فیصلے کا مدار اسناد پر نہیں ہوتا۔ وہ بسا اوقات ایک غریب ضعیف منقطع السند، مطعون فیہ حدیث کو بھی لے لیتا ہے۔ اس لیے کہ اس کی نظر اس افتادہ پتھر کے اندر رہیرے کی جوت دیکھ لیتی ہے“ الخ (صفحہ نمبر ۳۲) منقول از حجیت حدیث صفحہ نمبر ۹۲

مولانا سلطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان بزرگوں کی ”مسلک اعتدال“ کے ذریعے استخفاف حدیث کی کوشش کا نہایت مدلل علمی طریقے سے تعاقب کیا ہے۔ جو ان کے مضامین پر مشتمل کتاب ”حجیت حدیث“ میں شامل ہے۔ مولانا نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اسناد

کی حیثیت کم کرنے یا ختم کرنے کا نتیجہ انکارِ حدیث ہے۔

اپنے مذہب کے خلاف بالاتفاق ثابت شدہ احادیث کو مختلف طریقوں سے ناقابل اعتبار

قیامِ رمضان کی مسنون تعداد

ٹھہرانے اور مذہب کے مطابق حد درجے کی ضعیف احادیث کو قوی قرار دینے کی یہی روش احناف نے قیامِ رمضان کی مسنون تعداد کے سلسلے میں اختیار کی ہے۔

صحیح بخاری صفحہ نمبر ۵۵ جلد اول میں حدیث موجود ہے کہ ابو سلمہ بن عبد الرحمن نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا: کیف كانت صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم في رمضان۔ یعنی رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کس طرح تھی؟ تو انہوں نے فرمایا: ما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يؤم في رمضان ولا في غيره على إحدى عشرة ركعة، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

یہ حدیث صحیح بخاری کے علاوہ حدیث کی اکثر کتابوں میں مذکور ہے۔

اس متفق علیہ حدیث کی بنا پر محدثین کے علاوہ ائمہ احناف بدر الدین عینی، ابن ہمام ملا علی قاری، عبدالحق دہلوی اور قریب زمانے کے علماء انور شاہ کشمیری اور قاضی شمس الدین نے بھی تسلیم کیا ہے۔ کہ تراویح کی مسنون تعداد گیارہ رکعت ہے۔

اس کے مقابلے میں ابن ابی شیبہ، طبرانی اور بیہقی میں ابن عباس سے روایت ہے کہ كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي في شهر رمضان في غير جماعت بعشرين ركعة والوتر۔

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ماہِ رمضان میں جماعت کے بغیر بیس رکعات اور وتر پڑھتے تھے۔ یہ روایت فی غیر جماعت (جماعت کے بغیر) کے الفاظ کی تصریح کی وجہ سے ان لوگوں کی دلیل بن ہی نہیں سکتی جو رمضان کے باجماعت قیام کی تعداد میں رکعت کو مسنون قرار دیتے ہیں۔

علاوہ ازیں محدثین کے نزدیک یہ روایت بالاتفاق ضعیف ہے۔ خود مولانا انور شاہ کشمیری نے تسلیم کیا ہے۔:

”اما عشر دن رکعتہ فہو علیہ السلام بسند ضعیف و علیٰ ضعفہ“

(اتفاق رالعرف السندی)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعت کی روایت ضعیف سند سے آئی ہے۔ اور اس کے ضعف پر اتفاق ہے۔“

اس حدیث کے ضعف کے اسباب شروع حدیث بالتفصیل مذکور ہیں۔

مرفوع روایت غیر ثابت ہونے کی وجہ سے احناف کو اپنے مسلک میں رکعت تیراویح سنت مؤکدہ کے لئے کسی اور دلیل کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا۔ بیس رکعت تیراویح سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں، خلفاء راشدین کی سنت ہے۔ حالانکہ یہ بات بھی غلط ہے۔ کیونکہ موطا مالک میں صحیح سند کے ساتھ موجود ہے۔ کہ سائب بن یزید فرماتے ہیں۔ کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا تھا کہ وہ لوگوں کے ساتھ گیارہ رکعت قیام کریں۔ اس کے مقابلے میں ایک بھی صحیح روایت ایسی نہیں جس میں یہ موجود ہو کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری یا کسی دوسرے صحابی کو بیس رکعت کا حکم دیا تھا زیادہ سے زیادہ اگر کوئی روایت ہے۔ تو وہ یہ کہ لوگ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بیس رکعت قیام کرنے تھے مگر اس روایت سے بیس رکعت کو سنت عمرؓ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ خصوصاً جب جب حضرت عمرؓ نے خود بعض لوگوں کے اس عمل کے خلاف گیارہ رکعت پڑھنے کا حکم دیا تو سنت عمرؓ گیارہ رکعت ہی ہوگی۔ بیس برگز نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح حضرت عثمان یا حضرت علیؓ سے بھی کوئی صحیح روایت بیس رکعت کی موجود نہیں۔

تیراویح میں عدد مسنون بیس رکعت ثابت کرنے کے جدید طریقے | یہ طریقہ ان احناف

کا تھا۔ جن کا تذکرہ اوپر گذرا۔ موجودہ دور کے علماء احناف نے اسے سنت خلفاء راشدین قرار دینے کو کافی نہیں سمجھا۔ بلکہ اپنے متقدمین علماء کے خلاف کسی ایسے طریقے اختیار کیے جو امام احمد بن حنبلؒ کے ارشاد کے مطابق جہت (سبب زوری) کے علاوہ کچھ نہیں۔

۱۔ بیس رکعت والی روایت کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش | ان کوششوں میں پہلی کوشش بیس رکعت

والی بالاتفاق ضعیف روایت کو صحیح بنانے کی کوشش ہے۔ چنانچہ جامعہ اشرفیہ لاہور کے سابق شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے مشکوٰۃ کی شرح ”التعلیق الصبیح“ میں لکھا ہے۔

اعلم ان الحدیث الذی رواہ ابن عباس فی عشرين رکعة
الذی ضعفہ ائمہ الحدیث هو صحیح عند هذا العبد الضعیف
عفا اللہ عنہ۔ (ص ۱۵۱ جلد ثانی طبع دمشق)

ترجمہ: ”جان لو کہ ابن عباس کی روایت کردہ بیس رکعت والی جسے تمام آئمہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ وہ اس بندۂ ضعیف کے نزدیک صحیح ہے“
پھر اپنے خیال کے مطابق اس کے دلائل ذکر کرتے ہوئے آخر میں خلاصہ ان لفظوں میں ذکر کیا ہے۔

’فاذا كان الحديث يصحح تبليغي العلماء الصالحين فكيف لا
يصحح تبليغي الخلفاء الراشدين وسائر الصحابة والتابعين
وجمهور الاثمة والمجتهدين“ (حوالہ مذکورہ)
یعنی ”جب حدیث علماء صالحین کے عملاً قبول کر لینے کی وجہ سے صحیح ہو سکتی ہے۔
خلفاء راشدین، تمام صحابہ و تابعین اور جمہور آئمہ اور مجتہدین کے عملاً قبول کر لینے
کی وجہ سے کیوں صحیح نہیں ہو سکتی؟“

چاہیے تو یہ تھا کہ حدیث پر آئمہ حدیث کا جو اصل اعتراض ہے۔ کہ اس کا راوی ابو شیبہ کذاب ہے۔ اسے دور کر کے حدیث صحیح ثابت کرتے۔ مگر یہ جالی جبرٹروں کی رُو سے صحیح و نضعیف جب شیخ کے نزدیک پٹھا ٹٹولنے والی بات تھی۔ تو تلمیذ اس چکر میں کیوں پڑتا۔ اس نے پہلے خلفاء راشدین، تمام صحابہ و تابعین، جمہور آئمہ و مجتہدین کے ذمے گھر کر ایک بات لگائی۔ پھر اس حوالہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان کو صحیح قرار دے کر اپنے تمام پیشرو آئمہ حدیث کے فیصلے کو غلط قرار دیا۔ حیرت ہوتی ہے۔ کہ تقلید کا دعویٰ کرنے اور اس پر فخر کرنے والے حضرات کس دیدہ دلیری سے اتنے بڑے مجتہد بن جاتے ہیں۔ کہ اپنے سے پہلے تمام آئمہ حدیث کی تنقیح علیہ بات کو بھی ٹھکرا دیتے ہیں۔ حالانکہ جس طرح بیس رکعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ اسی طرح خلفائے راشدین سے بھی ثابت نہیں اور اسے تمام صحابہ و تابعین و جمہور آئمہ و مجتہدین کا مذہب ہونے کا دعویٰ تو صرف وہ شخص کر سکتا ہے۔ جو خود بھی فریب نفس میں مبتلا

ہو۔ اور دوسروں کو بھی اندھا دیکھنے کا خواہش مند ہو۔ آپ عینی کی عمدۃ القاری اور ترمذی کی الجامع اٹھا کر دیکھیں۔ صحابہ و تابعین و مجتہدین میں گیارہ مسنون رکعتوں پر اکتفا کرنے والے بھی موجود ہیں۔ اور اپنی سہولت کے لئے قیام میں تخفیف کر کے رکعتوں کی تعداد بیس چھبیس اور چالیس تک پہنچانے والے بھی۔ ہمارے کئی بھائی تو اپنی تصنیفات اور تقریروں میں امام ابو حنیفہ سے روزانہ ہزار رکعات پڑھنا بھی بیان فرماتے ہیں۔ اور مولانا کاندھلوی ہیں کہ تمام صحابہ و تابعین تابعین اور جمیع ائمہ و مجتہدین کو بیس رکعت پڑھنے والے بنا کر اس کے ذریعے بیس رکعت سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دلیل مہیا فرما رہے ہیں۔ آپ خود غور فرمائیں کہ جب بنیاد اتنی کمزور ہو تو اس پر اٹھائی جانے والی عمارت حاصل کیا ہو گا؟

۲۔ تراویح اور تہجد گوالگ الگ قرار دینا

یہ باور کرانا ہے کہ تراویح اور تہجد گوالگ الگ نمازیں ہیں۔ گیارہ رکعتوں والی روایات اگر صحیح ہیں مگر یہ تہجد سے متعلق ہیں۔ تراویح سے ان کا تعلق نہیں۔ اس جدید اختراع پر بعض حضرات کو اتنا ناز ہے۔ کہ ان کے خیال کے مطابق اس کا جواب ہو ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ ضلع گوجرانوالہ کے مشہور حنفی عالم قاضی عصمت اللہ صاحب قلعہ دیدار سنگھ کی اسی بنیاد پر ہمارے فاضل بھائی مولانا عبد المنان صاحب سے تحریری گفتگو ہوئی۔ ساتھ ہی دوسرے آثار و احادیث کا ذکر بھی ہوتا رہا مگر قاضی صاحب چوتھے پانچویں رقبے پر ہی قلم چھوڑ بیٹھے۔ یہ مراسلت تحقیق التراویح کے طبع ہو چکی ہے۔ نہایت دل چسپ اور قابل مطالعہ چیز ہے۔ اور اللہ کے فضل سے بہت سے لوگوں کے لئے باعث ہدایت و اطمینان ہوئی ہے۔

۳۔ موٹا میں فاروقی فرمان گیارہ رکعت کو ضعیف قرار دینے کی کوشش

روایت کو کہ ”حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم دارمی کو گیارہ رکعات کا حکم دیا تھا، مضطرب ثابت کر کے ناقابل اعتبار ٹھہرانے اور اس کے مقابلے میں ان ضعیف آثار کو صحیح قرار دینے کی کوشش ہے۔ جن میں حضرت عمرؓ، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم سے بیس رکعت پڑھنے یا حکم دینے کا ذکر ہے یہ کوشش دوسرے کئی حضرات کے علاوہ گجرات ضلع کے ایک حنفی عالم مولوی غلام سرور صاحب نے بھی کی اور ”بیس رکعت تراویح کی شرعی حیثیت“ نامی رسالہ میں بڑے خود دلائل سے

سے ثابت کہ جس رکعت واقعی خلفائے راشدین کی سنت ہے۔ اور گیارہ رکعت کا حکم حضرت عمرؓ نے نہیں دیا۔ رسالہ پر مولانا محمد چراغ صاحب بانی جامعہ عربیہ کو جو احوالہ تلمیذ علامہ انور شاہ کی تصدیق و تقریب بھی ہے۔ مصنف کو اپنے دلائل اور طرز تحریر کی پختگی پر اتنا اعتماد تھا کہ انہوں نے خود یہ رسالہ ایک طالب علم کی وساطت سے ہمارے محترم بھائی حافظ عبدالکمان صاحب کی خدمت میں بھیجا کہ آپ اس پر تبصرہ فرمائیں۔ حافظ صاحب نے اس رسالہ کا جائزہ نہایت سنجیدہ اور مدلل طریقے سے لیا۔ اور واضح کیا کہ اضطراب کے دعویٰ کی حقیقت کیا ہے؟ اور بن تیمیہؒ شروکانی ابن ہمام، ملا علی قاری وغیرہم تراویح میں مسنون عدد کیا سمجھتے ہیں۔ اور خلفائے راشدین بیس رکعت ہونے کے دعویٰ کی حقیقت کیا ہے۔ مصنف نے اپنے تین وعدوں کے لیے نین دلیلیں سبل السلام میں بھیجی سے نقل کی گئی ایک عبارت سے پیش کی تھیں۔ اللہ تعالیٰ حافظ صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ کہ انہوں نے سبل السلام اور بہقی دونوں کی عبارتوں کو بالمقابل لکھ کر ثابت کر دیا۔ کہ سبل السلام میں یہ تینوں باتیں غلط نقل ہو گئی ہیں۔ اور مصنف نے اپنے دلائل کی بنیاد اصل کتاب پر رکھنے کی بجائے دوسری کتاب میں نسخ کی غلطیوں پر رکھی ہے۔ اس کے علاوہ بحث کے ضمن میں کئی نادر نکات و تحقیقات ایسی ذکر کی ہیں جو کسی دوسری جگہ کجا نہیں مل سکتیں۔ بلکہ بعض ایسی چیزیں بھی نہیں جو اس سے پہلے شاید کسی قلم سے نہ نکلی ہوں۔ کیوں کہ مصنف نے بزم خود جدید دلائل پیش کیے تھے۔ اس لیے ان کا جواب جدید ہی دینے کی ضرورت تھی۔ اور یہ خدمت اللہ تعالیٰ نے حافظ صاحب موصوف سے لی ہے۔

حافظ صاحب نے تقریباً پہلے چالیس صفحات لکھ کر صاحب رسالہ کے پاس بھیجے جس پر انہوں نے صرف دو تین باتیں لکھ بھیجیں اور اعتراف کیا آپ نے واقعی بہت محنت کی ہے۔ اور مجھے اس سے بہت فائدہ ہوا ہے۔ انشاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کی جائے گی پھر رسالہ مکمل ہونے پر حافظ صاحب نے ان کے پاس بھیجا تو انہوں نے کوئی تصدیقی یا تردیدی جواب نہیں دیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مولانا غلام سرور صاحب کے نزدیک حافظ صاحب کے تعقیبات واقعی لا جواب ہیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ جب مولانا پر حق واضح ہو چکا ہے۔ تو وہ اس کے اعتراف میں اور اس پر عمل کرنے میں کوئی چمکا ہٹ محسوس نہیں کریں گے۔ کیونکہ قیامت کے دن حق پر عمل کام آئے گا۔ نہ کہ کسی دھڑے سے وابستگی۔ فبشور عباد — الذین یستمعون

القول فیتبعون احسنہ —